محمد الیاس

برصغیر کا عظیم داعی، عظیم خطیب

تحریک آزادی پاک وہند میں جن شخصیات کے کارہائے نمایاں تاریخ میں جلی حروف میں رقم ہیں، ان میں ایک ایسی شخصیت کا ذکر بھی ہے، جس نے اپنی پوری زندگی برصغیر سے سامراج کے انخلاء کیلئے جیل اور ریل کی نذر کردی۔ جس نے اپنی خطابت کے موتی بکھیر کر مسلمانوں کے دلوں کو جلا بخشی بلکہ ہندوستان کی سبھی غلام قوموں کا لہو سوز یقین سے گرما دیا۔ وہ عظیم شخصیت حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی ہے۔ یہی مردِ حرّ تھا جس نے انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی جرأت غلام ہندوستان کے ہر کوچہ و بازار میں عام کی۔ انگریز سامراج نے شاہ جی کو جھکانے کی بڑی کوشش کی لیکن شاہ جی تو صرف اور صرف رب تعالیٰ کے آگے جھکتے تھے۔ کوئی خوف انہیں پابند و خائف کرسکا نہ کوئی بڑے سے بڑا لالچ انہیں زیرِ دام نہ لاسکا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ یکم ربیع الاوّل ۱۳۱۰ھ ..... ۱۸ دسمبر ۱۸۹۲ء۔ جمعتہ المبارک بوقت سحر، اپنے نانا حکیم حافظ سید احمد اندرابی کے مکان واقع کوچہ لنگر، محلہ خانہ باغ، پٹنہ، عظیم آباد، صوبہ بہار (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا نام سید حافظ ضیاء الدین بخاری تھا۔ شاہ جی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ آپ بڑے ذہین فطین اور اعلیٰ فہم وفراست کے مالک تھے۔ اپنے والد ماجد کی اجازت سے امرتسر چلے آئے۔ یہاں حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ (بانی، جامعہ اشرفیہ، لاہور) آپ کے مشہور اساتذہ کرام میں سے تھے۔ وہ علم وعمل میں یکتا و بے مثال تھے۔ شاہ جی کے مرشد اول حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ اور مرشد ثانی حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ تھے۔ یہ شاہ جی کا ایک انوکھا اعزاز تھا کہ اپنے وقت کے سب بڑے محدث، فقیہہ العصر، حضرت مولانا علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ کی سرکردگی میں پانچ سو علماء کرام نے آپ کی بیعت کی اور آپ کو "امیر شریعت" مقرر فرمایا۔ آپ کے احباب میں امام الہند، مولانا ابوالکلام آزاد سے لیکر علامہ محمد اقبال تک کانگریس و مسلم لیگ کے صف اول کے سب رہنما شامل تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے مجلس احرار اسلام کا نام تجویز کیا اور اس انقلابی جماعت کی بنیاد حضرت امیر شریعتؒ نے ۲۹ دسمبر ۱۹۲۹ء میں رکھی۔ یہ جماعت برصغیر کی سیاست میں پہلی عوامی جماعت بھی ہے۔ احرار نے کئی تحاریک برپا کیں۔ سیاست کو خواص کے نرغے سے نکالا۔ مسلمانوں کے ہر مسلک اور ہر طبقہ کی بھرپور نمائندگی سے ایک ایسا قافلہ سیاست تشکیل دیا، جس نے حریت، مساوات، اخوت اور وحدت کی بنیاد پر ایک نیا سیاسی شعور پیدا کیا، قربانی وایثار کی ایک نئی تاریخ رقم کی اور کچھ ہی عرصے بعد برصغیر کے افق پر چھا گئی۔

مجلس احرار اسلام کی سب سے بڑی اور کامیاب تحریک، تحفظ ختم نبوت کی تحریک ہے۔ محاسبہ قادیانیت روزِ اول سے احرار کے منشور کا بنیادی حصہ ہے۔ پاکستان بننے کے بعد، ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم

نبوت چلائی گئی۔ حکومت وقت نے اسے پر تشدد انداز سے کچل دیا اس وقت شاہ جی نے کہا تھا کہ یہ تحریک ایک ٹائم بم ہے۔ جو وقت آنے پر ضرور پھٹے گا۔ تب دس ہزار شہدائے ختم نبوت کا خون ضرور رنگ لائے گا۔ چنانچہ حکومت پاکستان نے ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر قادیانیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔ تحریک تحفظ نبوت کے علاوہ مجلس احرار اسلام نے دوسری کئی تحریکیں چلائیں، ان میں تحریک کشمیر ۱۹۳۱ء، تحریک مسجد شہید گنج ۱۹۳۵ء، فوجی بھرتی بائیکاٹ ۱۹۳۹ء اور تحریک مدح صحابہ شامل ہیں مجلس احرار اسلام کو ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۳ء تک کالعدم قرار دے دیا گیا تو اس وقت بھی تحریک مدح صحابہ چلائی گئی۔ قادیانی بلوچستان کو مرزائی سٹیٹ بنانے کے لیے سازشیں کرنے لگے تو احرار نے شاہ جی کی قیادت میں ۱۹۵۲ء میں اس سنگین سازش کو ناکام بنا دیا جس سے قادیانیت کو ناکامی و نامرادی کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۹۲۱ء میں تحریک خلافت کے سلسلہ میں حضرت امیر شریعتؒ گرفتار ہوئے تو انہیں لاہور سنٹرل جیل کے "گورا وارڈ" میں قید کر دیا گیا۔ ابھی دو ہفتے ہی گزرے تھے کہ اچانک ایک روز سپرنٹنڈنٹ جیل نے شاہ جی کو اپنے دفتر میں طلب کیا اور انگریزی میں لکھی ہوئی ایک درخواست انہیں پیش کی کہ وہ اس پر دستخط کریں، جس پر درج تھا کہ "اگر اس دفعہ حکومت مجھے معاف کر دے تو میں یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ میری کوئی حرکت ایسی نہ ہوگی جس سے حکومت کو کسی قسم کی شکایت ہو" شاہ جی نے اس معافی نامہ کے ان گنت ٹکڑے کر کے اسے پاؤں تلے روندا اور تین دفعہ اس پر تھوکا، پھر غضبناک ہو کر واپس لوٹ گئے۔ اس واقعہ کے چند ہی دنوں بعد شاہ جی کو پنجاب کی سخت ترین جیل ڈسٹرکٹ جیل میانوالی منتقل کر دیا گیا۔ مدت قید ختم ہونے میں ابھی چھ ماہ باقی تھے کہ ایک بار پھر یہی عمل دہرایا گیا۔ سپرنٹنڈنٹ جیل نے معافی نامہ دستخط کے لیے پیش کیا۔ تو شاہ جی نے فرمایا کہ "میں جو کچھ کہتا ہوں وہ اس پر لکھو گے؟" سپرنٹنڈنٹ نے کہا جی ہاں لکھوں گا، شاہ جی نے کہا تو پھر لکھو! "میں جب تک زندہ ہوں تمہاری جڑوں میں پانی پھیرتا رہوں گا" شاہ جی فرمایا کرتے تھے کہ "میری ایک ہی خواہش ہے کہ انگریز اس ملک سے نکل جائے"۔ اور یہ کہ "انگریز کا دوست میرا دوست نہیں ہو سکتا"! ایک اور موقع پر شاہ جی نے فرمایا تھا کہ "میرے دو دشمن ہیں انگریز اور قادیانی"

انگریز شاہ جی کی خطابت سے ہمیشہ خوفزدہ رہا اور بار بار آپ کو پس دیوار زنداں بھجواتا رہا۔ مجموعی طور پر وہ گیارہ سال جیل میں رہے۔ شاہ جی پر برطانوی حکمرانوں نے قید و بند کے پہاڑ توڑ دیئے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی جیل اور ریل کے سپرد کر دی۔ وہ عمر بھر پے در پے گرفتاریوں، مقدموں، مسلسل قید و بند اور طوق و سلاسل کی اذیتوں کے مرحلوں سے گزرے، ان پر قاتلانہ حملے ہوئے۔ انہیں زہر دیا گیا۔ ان پر بغاوت کے مقدمے قائم کیے گئے کہ جن کی سزا موت تھی، انہوں نے تقریر کے لیے جن راستوں سے گزر کر جانا ہوتا تھا۔ وہاں فرنگی فرمانرواؤں اور ان کے گماشتوں کی طرف سے غنڈے گھات میں بٹھا دیئے جاتے تھے تاکہ شاہ جی اور ان کے ساتھیوں کو خوف زدہ کیا جا سکے لیکن ان کے پایۂ استقلال میں لغزش تک نہ آئی۔ ۱۹۲۰ء میں

جب ایک پہلے مقدمہ میں مجسٹریٹ کی طرف سے حبس دوام کی سزا متوقع تھی اور سزا صرف تین سال قید بامشقت کی سنائی گئی تو شاہ جی نے مجسٹریٹ کی طرف دیکھتے ہوئے یہ شعر کہا

دار کے حق دار کو یہ قید سہ سالہ ملے
ہائے مشکل تھی جو آساں ہوتے ہوتے رہ گئی

برصغیر کی تاریخ نے ان سے بڑا عوامی خطیب پیدا نہیں کیا۔ خطابت کے بغیر شاہ جی اور شاہ جی کے بغیر خطابت غیر متوازن و نامکمل تھی۔ ان کی شخصیت علم و عمل کا حسین امتزاج تھی۔ شعر و ادب، تصوف و روحانیت، سیاست و حکومت، تہذیب و تاریخ اور دین و دانش کے حلقوں میں ان کی ذات معتبر حوالہ تھی، ہر جگہ ان کا احترام کیا جاتا تھا اور ان سے اکتساب کیا جاتا تھا۔ شاہ جی اور خطابت یار غار تھے۔ ان کی خطابت میں ایسا جادو تھا کہ دشمن بھی جھومنے لگتا۔ ایک مرتبہ مخالفین نے ایک نوجوان کو لالچ دے کر شاہ جی کو قتل کرنے کیلئے آمادہ کیا وہ نوجوان ایک مکان کی چھت پر کھڑا ہو گیا۔ شاہ جی نے تلاوت پُر سوز انداز میں شروع کی۔ وہ نوجوان اتنا مسحور ہو گیا کہ اسے کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں کھڑا ہے، وہ مکان کی چھت سے گر پڑا۔ مجمع میں اس کے گرنے سے کھلبلی مچ گئی، اس نوجوان سے خنجر برآمد ہوا۔ اس نے شاہ جی کے سامنے اعتراف جرم کر لیا اور شاہ جی سے معافی مانگ لی۔ شاہ جی نے بخوشی معاف کر دیا۔

اردو زبان کے مایہ ناز ادیب و شاعر چودھری افضل حق مرحوم احرار میں شمولیت سے قبل پولیس آفیسر تھے۔ شاہ جی ایک جلسہ میں خطابت کے جوہر دکھا رہے تھے۔ چودھری صاحب سرکاری ڈیوٹی پر وہاں موجود تھے۔ انہوں نے جب شاہ جی کی تلاوت و خطابت سنی تو اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً ملازمت سے مستعفی ہو گئے۔ تادم واپسیں احرار میں رہے اور احرار کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا اور مفکر احرار کے لقب سے ملقب ہوئے۔

مولانا ظفر علی خان نے شاہ جی کی خطابت کے متعلق کہا تھا کہ

کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے
"بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں"

شورش کاشمیری نے لکھا ہے کہ "شاہ جی کی خطابت کالی داس کی منظر کشی کا صحیح مصداق تھی۔ رعد کی گونج، بادل کی گرج، ہوا کا فراٹا، فضا کا سناٹا، صبح کا اجالا، چاندنی کا جھالا، ریشم کی جھلملاہٹ، ہوا کی سرسراہٹ، گلاب کی مہک، سبزے کی مہک، آبشار کا بہاؤ، شاخوں کا جھکاؤ، طوفان کی کڑک، سمندروں کا خروش، پہاڑوں کی سنجیدگی، صبا کی چال، اوس کا نم، چنبیلی کا پیراہن، تلوار کا لہجہ، بانسری کی دھن، عشق کا بانکپن، حسن کا اغماض اور کہکشاں کی مسجع و مقطع عبارتیں انسانی آواز میں ڈھلتے ہی خطابت کی جو صورت اختیار کرتی ہیں اس کا جیتا جاگتا مرقع شاہ جی تھے۔

ان کی خطابت کا محور و مقصود دنیا سے غلامی، استحصال اور بدامنی کا خاتمہ تھا۔ ۲۸ مئی ۱۹۴۵ء کو بمبئی (اب ممبئی) میں ایک عقیدت مند کو آٹو گراف دیتے ہوئے انہوں نے لکھا تھا کہ

"مخلوق میں جب تک خالق کا نظام نہیں چلایا جائے گا دنیا میں امن نہ ہوگا"

شاہ جی کی عظمت کا اعتراف انگریزوں اور ہندوؤں نے بھی احسن واعلیٰ انداز میں کیا ہے۔ کرنل بارڈ (انگریز سپرنٹنڈنٹ ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی ۱۹۳۹ء) نے اپنی کتاب "ہندوستان کی یادیں میں لکھا ہے کہ۔

"جن قیدیوں نے مجھے اثنائے ملازمت میں متاثر کیا، ان میں عطاء اللہ شاہ بخاری نام کا ایک سیاسی قیدی بڑی ہی دلفریب شخصیت کا مالک تھا ان کا چہرہ مہرا چرچ کے ان مقدس راہبوں کی طرح تھا، جنہیں یورپ میں خاص عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ہم اسے عرب کے بڑے بڑے قاموسوں سے بھی تشبیہ دے سکتے ہیں، لیکن ان کے صحیح شناسا ہمارے ہاں کتنے ہیں؟ میں اسے اپنا دوست بنانا چاہتا تھا لیکن ہمارے درمیان سب سے بڑی رکاوٹ ہماری مخالف زبانیں تھیں۔ وہ ۱۸۵۷ء کے اس انٹی برٹش" ذہن کی باقیات میں تھا جنہیں ہمارے پیش روؤں نے علماء کو پھانسی دے کر پیدا کیا تھا۔

وزیر ہند نے گول میز کانفرنس لندن میں شاہ جی کا ذکر کرتے ہوئے اعتراف کیا تھا کہ "ایسا شخص جو اپنی ایک تقریر سے بیک وقت دو حکومتوں کے نظام کو معطل کر دیتا ہے"۔

مشہور انگریز مورخ مسٹر ڈبلیو سی سمتھ نے اپنی کتاب "ماڈرن اسلام ان انڈیا" کے صفحہ نمبر ۲۶۲ میں لکھا ہے کہ "یہ غیر معمولی انسان ہندوستان کی سب سے زیادہ اثر آفریں ہونے کا قوی دعویٰ کر سکتا ہے"۔

وہ عمر بھر حوصلے کی تمنا اور ستائش کی پرواہ سے بے پرواہ رہے۔

۲۱۔ اگست ۱۹۶۱ء کو انہوں نے ملتان میں کرائے کے ایک بوسیدہ مکان میں جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی وہ فرمایا کرتے تھے کہ۔

"میں نے بنجر زمینوں میں ہل جوتے، تاریک صحراؤں میں سفر کیا اور قبرستانوں میں اذانیں دیں ہیں۔ اب میں وہاں چلا جاؤں گا، جہاں سے لوٹ کر کوئی نہیں آیا پھر تم مجھے پکارو گے مگر تمہاری پکار تمہارے کانوں سے ٹکرا کر تمہیں ہلکان کر دے گی۔ مگر.......... تم مجھے نہ پا سکو گے"!

شاہ جی کی رحلت پر درویش شاعر حبیب جالب نے لکھا تھا کہ

ہنسی ہنسی میں تم نے کھولے اہل ستم کے راز
مرتے دم تک تو نے اٹھائے سچائی کے ناز
کہیں دبائے سے دبتی ہے، شعلہ صفت آواز
چیر گئی ظلمت کا سینہ لفظوں کی شمشیر

ٹوٹ گئی زنجیر